ترتیب: ادارہ

"لسان الصدق" (کلکتہ) کے آئینے میں

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۷ء - ۱۹۵۸ء) نے ۱۵ سال کی عمر میں ماہنامہ "لسان الصدق" جاری کیا تھا۔ اس کا پہلا شمارہ کلکتہ سے ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ آخری شمارہ کب شائع ہوا؟ تاہم اس کا آخری دستیاب شمارہ اپریل و مئی ۱۹۰۵ء کا ہے جو کلکتہ کے بجائے بمبئی سے شائع ہوا۔ "لسان الصدق" کے تمام دستیاب شمارے جناب عبدالقوی دسنوی کی ترتیب و تدوین سے یک جا شائع ہو گئے ہیں[1]۔

مولانا آزاد نے "لسان الصدق" کے حسبِ ذیل "مقاصد اربعہ" قرار دیے تھے۔

۱۔ سوشل ریفارم یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

۲۔ ترقی اُردو یعنی اُردو زبان کی علمی، ادبی ترقی کی کوشش کرنی۔

۳۔ تنقید یعنی ملک کی مشہور تصنیفوں اور اخباروں پر منصفانہ ریویو کرنا۔

۴۔ علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگالہ میں۔

مولانا آزاد نے "لسان الصدق" کے سارے زمانۂ اشاعت میں یہ مقاصد پیشِ نظر رکھے ہیں۔ اس دور میں مولانا آزاد پر سر سیّد احمد خان کے خیالات اور اُن کی شخصیّت کا گہرا اثر تھا۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا آزاد نے "المعتزلہ" پر اپنی تالیف کا اعلان کیا اور اِس کے پہلے حصّے کا دیباچہ شائع کیا۔ دیباچے میں اُنھوں نے لکھا ہے[2]۔

> تقریباً نصف صدی سے دُنیا کے مذہبی حصّہ میں سخت انقلاب ہوا ہے، یورپ کے علوم وفنون نے جو اثر دُنیا کے ہر طبقہ پر ڈالا ہے، اُس سے یہ مقدّس حصّہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ مذہب کی وقعت و عظمت میں روز بروز تنزّل ہو رہا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں مذہب کا سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا، اور وہ مستحکم سلطنت جس کا دُنیا کے ساتھ دُنیا کی آبادی کے ساتھ رہا ہے، جدید علوم کے زور آور حملوں سے اس طرح برباد ہو جائے گی۔ اس لیے مذہب کے نام لیوا آج کل سخت پریشانی میں ہیں۔ ایک طرف انھیں علم سے رح محبت و آشتی رکھنی ہے، دوسری طرف مذہب کو بھی اس کی زد سے بچانا ہے، کیونکہ بیسویں صدی میں اگر کوئی علم کی مخالفت کرنا چاہتا ہے تو گویا اس کا یہ مفہوم ہے کہ وہ اپنی فطرت کی مخالفت پر آمادہ ہے۔
>
> اہلِ مذہب مختلف کوششوں میں مصروف ہیں اور اپنے اپنے مذہب کی خیر منا رہے ہیں۔

قدیم ہندو مذہب ایک نیا بھیس اختیار کر رہا ہے، اور اپنے خدا کو خوش کر کے مادّہ کی آؤ بھگت میں مشغول ہے۔ عیسویت نے اگرچہ اب تک کروٹ نہیں لی، لیکن اس کے جاں نثار سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، اسلام جو ہمیشہ سے علم کا حامی رہا ہے، آج بھی بے خوف و خطر اس دارو گیر سے بچ سکتا ہے، کیونکہ اس کے لیے یہ کوئی نیا موقع نہیں ہے۔ قدیم علوم نے جب عربی لباس میں دُنیا کو اپنی صورت دکھلائی تھی تو اسلام کو اس سے سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا، لیکن جس طرح اس زمانہ میں اسلام کامیاب رہا تھا، آج بھی فتح یاب رہے گا۔ جدید علوم کے مقابلہ میں تجدید علم کلام کی جتنی کوششیں کی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی کوشش وہ ہے جو اب سے تقریباً بتیس برس پیشتر سرسیّد کی مذہبی تحقیقات سے ظاہر ہوئی، سرسیّد کی آواز پر اگرچہ مسلمانوں نے سخت تعجّب ظاہر کیا، اور اُن کو بالکل ایک غیر مانوس آواز معلوم ہوئی، لیکن درحقیت یہ وہ ہی خیالات ہیں جو سرسیّد سے ایک ہزار سال پیشتر معتزلہ نے ظاہر کیے تھے، اور اُنہیں خیالات سے قدیم فلسفہ کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ان خیالات کو عام علماء کے دربار میں باریابی کا بہت کم موقع ملا، لیکن سرسیّد کو ان کا موجد سمجھنا سخت غلطی ہے۔! سرسیّد کے بعد اگرچہ اس ضرورت کو اور لوگوں نے بھی محسوس کیا۔ ممالک اسلامیہ میں متعدّد کتابیں لکھی گئیں، لیکن درحقیقت اِس پر کوئی مفید اضافہ نہ ہو سکا۔

مولانا آزاد نے "لسان الصدق" میں براہ راست مطالعۂ مسیحیت یا برصغیر کی مسیحی برادری پر تو کچھ نہ لکھا، مگر ضمناً اُن کا ذکر آجانا ناگزیر تھا۔ کلکتہ مسیحی منادوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور "لسان الصدق" کی اشاعت سے پہلے مولانا آزاد "تحفۂ احمدیہ" کی ترتیب و ادارت سے منسلک تھے جو مسیحی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا تھا۔ ذیل میں "لسان الصدق" کے صفحات سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں جو برصغیر کی مسیحی آبادی اور اس کی سرگرمیوں سے براہ راست یا بالواسطہ متعلق ہیں۔

* مولوی سیّد احمد حسن مدیر "تحفۂ محمدیہ" کی رحلت

سیّد احمد حسن سے مولانا ابوالکلام آزاد کو تعلق خاطر تھا۔ اُن کی رحلت پر تعزیتی شذرے کا عنوان تھا۔ "سیّد احمد حسن اب کہاں ہیں؟" اِس میں ذاتی تعلق کے بھرپور اظہار کے ساتھ مولوی سیّد احمد حسن کی خدمات کے بارے میں بتایا گیا کہ [۳]

> "مولوی سیّد احمد حسن کا نام پبلک کے لیے کوئی نیا نام نہیں ہے۔ یہ ایک عرصہ سے تحفۂ محمدیہ کانپور کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں، جس نے ایک عرصہ تک کرسچن دُنیا کا نہایت دلیری کے ساتھ مقابلہ جاری رکھا تھا، اور ایک قانونی زور نے جسے تبدیلیٔ نام کے بعد

مولوی صاحب مرحوم کے ہاتھوں تک پہنچایا تھا۔ ندوۃ العلماء کے یہ ایک پُرزور ممبر رہے اور ہمیشہ تحفہ احمدیہ ف کذاط کے کالم ندوہ کے تائیدی مضامین کے لیے کھلے رہے۔ ندوۃ العلماء کلکتہ کی کشش نے انہیں کلکتہ پہنچایا اور اُنھوں نے کلکتہ کا مشہور اخبار "احسن الاخبار" جاری کیا جس نے شائع ہوتے ہی وہ مقبولیت حاصل کر لی جو ہندوستان کے بہت سے قدیم پرچوں کو اس وقت حاصل نہیں ہے۔--- تقریباً دو سال تک یہ جاری رہا اور اس کے بعد چند مجبوریاں ایسی پیش آئیں کہ اخبار کو بند کر کے آئندہ کے لیے مشتاق پبلک کو منتظر کرنا پڑا۔ اس کے بعد ایک علمی ملازمت حاصل کر کے یہ دارجلنگ چلے گئے۔ ہائے وہاں سے آنا اُن کا آخری سفر تھا جو ٹھیک سفرِ آخرت ہو کر پیش آیا"۔

مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی نے اُن کے انتقال کی حسبِ ذیل تاریخ کہی۔

چوں کہ احمد حسن ز دارِ محن
رفت و آسودہ زیرِ خاک بخفت
سالِ فوتش دلم ز روئے ہوش
رفتہ احمد حسن بہ جنّت گفت

۵ + ۱۳۱۶ = ۱۳۲۱ھ

* انڈین نیشنل کانگریس اور "دیسی عیسائی"

مدیر کے قلم سے "لسان الصدق" کے تیسرے شمارے (۲۰ جنوری ۱۹۹۴ء) میں حسبِ ذیل شذرہ شائع ہوا[۴]۔

باخبر ناظرین واقف ہوں گے کہ جب ہندوؤں نے نیشنل کانگریس قائم کی تھی تو سرسیّد مرحوم کی مخالفت منجملہ اور وجوہ کے، سب سے زیادہ اس وجہ پر مبنی تھی کہ اس کا نام گورنمنٹ کو سخت دھوکہ دینے والا ہے۔ اس کا نام دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ایک قومی کانگریس ہے، حالانکہ سوا ہندوؤں کے اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔ پھر "نیشنل" کا لفظ بالکل حالت کے خلاف ہے۔ ہندو کہتے تھے کہ "اس میں دیسی عیسائی شامل ہیں" اور مسلمان بھی اس کے ہمدرد ہیں۔ سرسیّد کو مسلمانوں کا بچانا منظور تھا۔ اُنھوں نے پبلک اور گورنمنٹ پر ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج تیرہ چودہ برس کے بعد خود کانگریس کے ہمدردوں کو اس کا احساس ہونے لگا ہے۔ اس کے سرگرم ممبر اب وہ ہی راگ گانے لگے ہیں جو کبھی سرسیّد کی زبان پر جاری تھا اور جس

نے اسی کانگریس کی زبانی دشمنِ قوم و ملت کا خطاب اُنہیں دیا تھا۔ چنانچہ کانگریس کے سرگرم کارکن مسٹر الفریڈ نندی ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "کانگریس میں نیشنل کی تعریف فضول پائی جاتی ہے"۔ دیسی عیسائیوں نے بھی اس سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ مسلمانوں کی مدد بھی برائے نام ہے۔ پھر اِس کانگریس کو قومی کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟

*کارلائل کا ترجمہ

مارچ ۱۹۰۴ء کے شمارے میں "عنقریب شائع ہونے والی" کتابوں کے تحت یہ خبر شائع ہوئی ہے[۵]۔

انجمن ترقی اُردو کی تحریک سے جناب مولوی عبدالغفور شہباز کارلائل کی مشہور کتاب "ہیروورشپ" کا ترجمہ کر رہے ہیں۔

*کلکتہ کے اُردو چھاپہ خانے

مولانا آزاد "لسان الصدق" کو خوبصورت انداز شائع ہوتا دیکھنا چاہتے تھے مگر ہادی المطابع، جس سے یہ پرچہ شائع ہوتا تھا، مولانا کی توقع کے مطابق کام نہ کر سکا۔ اپریل ۱۹۰۴ء میں مولانا نے طباعت کی مشکلات بیان کیں۔ "دارالسلطنت ہند میں اک عمدہ اُردو پریس کی کمی" کے زیرِ عنوان اپنی مشکلات کے ساتھ کلکتہ میں مطابع کی تاریخ رقم کر دی جس میں مسیحی مناّدوں کی طباعتی خدمات کا ذکر بھی آیا ہے۔ متعلقہ حصّہ ملاحظہ ہو[۶]۔

> ہندوستان میں سب سے پہلے زیادہ ترٹائپ کے پریس جاری ہوئے، قدیم سے قدیم کتاب جو لیتھو کی چھپی ہوئی ہمارے نظر سے گزری ہے، وہ ایک "جر ثقیل" کے بیان میں فارسی کا مختصر رسالہ ہے، جسے انگریزوں نے اپنے ابتدائی زمانے میں مدراس میں چھاپا تھا، اس کے علاوہ فن ہئیت قدیم و جدید میں منشی جواہر سنگھ زخمی کی ایک کتاب جو نصیر الدین حیدر کے زمانے میں چھپی تھی۔ ان کے علاوہ اور تمام کتابیں جو قدیم زمانہ میں چھپی ہیں، زیادہ ترٹائپ ہی میں چھپی ہیں اور ان میں سے اکثر کلکتہ کی چھپی ہوئی ہیں۔ تمام انڈیا میں کلکتہ سے بڑھ کر اور کوئی شہر دارالطبع ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ عام پریسوں کے علاوہ ایشیاٹک سوسیٹی بنگال کا پریس نہایت خوشخط اور وسیع پیمانہ کا پریس تھا، جس نے بہت سی قدیم نایاب کتابیں عربی، فارسی، اُردو کی اپنے اہتمام اور انتظام سے چھاپ کر شائع کیں۔ لیس صاحب کا پریس بھی اُس زمانے میں ایک عمدہ پریس تسلیم کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ قدیم کتاب جو کلکتہ کی چھپی ہوئی ہماری نظر سے گزری ہے، وہ تحفہ اثنا عشری ہے، جس کی لوح پر شاہ عبدالعزیز کا نام مدظلہ العالی یا کسی

اور ایسے دعائیہ جملہ کے ساتھ لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کی زندگی میں چھپی تھی۔ اگرچہ اس نسخہ کے آخری صفحہ کے نہ ہونے سے تاریخ طبع کا پتہ نہیں لگ سکا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے ۱۲۳۹ھ میں انتقال کیا تھا، اور اس لیے اس کتاب کو چھپے ہوئے آج کوئی سو برس ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مستند لغت "شمس اللغات" ہے۔ جو پہلے پہل کلکتہ میں چھپا تھا، اور جس کا سن طبع ۱۸۰۸ء ہے۔ "ہفت قلزم" کا فرسٹ ایڈیشن جو نہایت خوبصورت ٹائپ میں غالباً نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے ایماء سے چھپا تھا، ہمارے پاس موجود ہے، اور یہ بھی نہایت قدیم زمانہ کا چھپا ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سترہویں صدی کے اختتام ہی سے ہندوستان میں پریس کی بناء پڑ گئی تھی، اور کلکتہ سے بڑھ کر اور کوئی جگہ انڈیا بھر میں پریس کا عمدہ مخزن نہیں تسلیم کی جاتی تھی۔ بپٹسٹ مشن پریس کی بناء اگرچہ بعد کو پڑی، لیکن یہ فخر اسی کو حاصل ہوا کہ نستعلیق ٹائپ کا عمدہ پریس انڈیا میں سمجھا گیا۔ جان مارشمن کلارک صاحب کی "ہسٹری آف انڈیا" کا فارسی ترجمہ جو مولوی عبدالرحیم مرحوم گورکھپوری نے کیا تھا، اسی پریس نے نستعلیق ٹائپ میں ایسا خوشخط اور خوشنما چھاپا ہے، جس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ اس بیان میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا (جس نے آگے چل کر بورڈ آف اکزامنرس کا نام اختیار کیا) ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جس کی بدولت اُردو زبان کے ابتدائی دور میں عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف ہوئیں اور کلکتہ میں چھپ کر شائع ہوئیں۔ مولوی کبیرالدین احمد مرحوم کے مظہر العجائب پریس نے بھی اپنے زمانے میں اچھی اچھی کتابیں چھاپ کر شائع کیں۔ لیکن افسوس ہے کہ جس قدر زمانہ ترقی کرتا گیا، کلکتہ میں عمدہ پریسوں کا تنزل ہوتا گیا۔ لیتھو پریس نے تو ادھر ہندوستان میں ایسی قبولیت پیدا کرلی تھی، کہ ٹائپ کا تنزل ضروری تھا، لیکن لیتھو پریس نے بھی کلکتہ میں تنزل شروع کر دیا۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آج ایک عمدہ چھپائی کے خواستگار کو کلکتہ میں کوئی پریس نظر نہیں آتا۔ اصلی وجہ اس کی یہ ہے کہ اس زمانے میں پریس کے قائم کرنے سے اصلی غرض مالک کی اشاعت علوم اور ترقی مطابع مقصود تھی، اور مالی منفعت کا خیال تو ایک لازمی امر تھا۔ لیکن اب پہلی غرض جو سابق میں اصلی غرض تھی مفقود ہو گئی ہے، اور صرف مالی منفعت کے لیے (جس کے لیے صرف پریس کا اچھے بُرے طریقہ سے جاری رہنا کافی ہے) لوگ پریس قائم کرنے لگے، اس لیے انہیں اس سے کیا غرض کہ کام عمدہ ہو، صرف کام کا ہونا ضروری ہے تاکہ خرچ کے نکلنے کے سوا کچھ منفعت بھی ہو جائے۔

* ہندوستان کی اقوام جرائم پیشہ اور "مشنری"

جون ۱۹۰۴ء کے شمارے میں اثیم امروہوی کا ایک مضمون "ہندوستان کی اقوام جرائم پیشہ" شائع ہوا ہے۔ مضمون میں یو۔پی کے سانسیوں، بیریوں، ہبوڑوں اور دکن کے گونڈوں اور بھیلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مضمون کا اختتام اس اقتباس پر ہوتا ہے[8]۔

> یہ بات بھی بتلانا ضروری ہے کہ کچھ ہبوڑے اور سانسیے کبھی کبھی دوامی طور پر بھی دیہات میں سکونت پذیر ہو جاتے ہیں اور اہل پولس ایسے قرب و جوار کے جرموں کا جن کے مجرموں کا پتہ نہیں لگتا، ان کو مجرم بنا لیتے ہیں، لیکن واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ایسے گاؤں میں آکر بسنے والے زیادہ تر اپنے اُن خصائل ذمیمہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ گزشتہ سال ہی سہارنپور کے ایک مشنری صاحب نے اپنے مریدوں کے زُمرہ میں ضلع مذکور کے جنوبی حصّہ کے چند سانسیوں کو داخل کر کے خوب لطف اٹھائے۔ اُمید ہے کہ ہمدردانِ ملک ان جرائم پیشہ اقوام کی اصلاح کی کوئی معقول تدبیر بتلا کر گورنمنٹ اور اہلِ ملک دونوں کو ممنون کریں گے۔

حواشی

۱۔ نئی دہلی: مکتبہ جامعہ (۱۹۸۸ء)، ۲۹۶ ص

۲۔ عبدالقوی دسنوی، ماہوار لسان الصدق کلکتہ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ (۱۹۸۸ء)، ص ۲۱۷ - ۲۱۸ [اس اقتباس، نیز آئندہ نقل ہونے والے اقتباسات میں "لسان الصدق" کے املاء کی پیروی نہیں کی گئی۔ لسان الصدق میں بعض دو دو لفظوں کو جوڑ کر لکھنے کی روایت رہی ہے، مگر ہم نے ہر لفظ جدا جدا لکھا ہے۔ یعنی "اسکا" کی جگہ "اس کا" اور "ٹوٹکر" کی جگہ "ٹوٹ کر" لکھا ہے۔ اسی طرح "لسان الصدق" میں "اوس" لکھا گیا ہے جو ہم نے مروّجہ املا "اُس" کے مطابق کر دیا ہے۔]

۳۔ ایضاً، ص ۴۶ - ۴۷

۴۔ ایضاً، ص ۵۱ - ۵۲

۵۔ ایضاً، ص ۹۱، یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ مولوی عبدالغفور شہباز نے کارلائل کا ترجمہ مکمل کیا تھا یا نہیں، البتہ کارلائل کے مشہور لیکچر "ہیرو ایز اے پرافٹ" کے حسبِ ذیل تراجم ملتے ہیں۔

* سیّد الانبیاء، مترجم اعظم خان، حیدرآباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ (اوّلیں اشاعت: ۱۹۳۴ء)
* ترجمہ [ہیرو ورشپ]، مترجم عبدالرحمن عاقل (۱۹۴۲ء)
* سرور انبیاء، مترجم مہدی حسن ناصری (۱۹۴۵ء)
* بطلِ نبوّت (نبی الانبیاء)، محمد سکندر، لاہور: ادارہ سیرتِ پاک (۱۳۷۸ھ) [ڈاکٹر انور محمود خالد، اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان (۱۹۸۹ء)، ص ۶۹۳]

۶۔ عبدالقوی دسنوی، حوالہ ۲، ص ۱۰۸ - ۱۰۹

۷۔ واضح رہے کہ مولانا آزاد یہ نوٹ ۱۹۰۴ء کے آغاز میں لکھ رہے تھے۔ آج "تحفہ اثنا عشری" کی اِس اشاعت کو ۱۷۱ برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔

۸۔ عبدالقوی دسنوی، حوالہ ۲، ص ۱۶۹